تحقیق و تنقید

جناب غازی عزیر
(الخبر)

امام غزالیؒ

شریعت کی عدالت میں!

قسط (۵) آخری

ایک فقیہ متکلم ابو عبداللہ ابن الماذری کا قول امام ابنِ تیمیہؒ نے نقل کیا ہے:
"امام غزالی کو علوم فلسفہ کی اکثر چیزوں کے بارہ میں رائے دیتے وقت ابن سینا؎ کی کوئی بات نقل کرنے سے عشق تھا، یہاں تک کہ انہوں نے

؎۵۵ ابن سینا کے فلسفہ کے متعلق شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کی رائے ہے کہ: "وَلٰكِنْ هٰذِهِ الْفَلْسَفَةُ الَّتِيْ يَسْلُكُهَا الْفَارَابِيُّ وَابْنُ سِيْنَا وَابْنُ رُشْدٍ وَالسُّهْرَوَرْدِيُّ الْمَقْتُوْلُ وَنَحْوُهُ فَلْسَفَةُ الْمَشَّائِيْنَ وَهُوَ الْمَنْقُوْلَةُ عَنْ اَرَسْطُوْ" (الاستغاثۃ المعروف بہ الرد علی الکبریٰ ص ۳۰۶) یعنی فارابی، ابنِ سینا، ابنِ رشد اور سہروردی مقتول کا فلسفہ مشائین کا فلسفہ ہے جو ارسطو سے ماخوذ ہے" اور ارسطو کے متعلق فرماتے ہیں: "مطالعۂ ارسطو سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ شخص اللہ سے مطلق نا آشنا تھا، یہی حال باقی فلسفیوں کا ہے ان کی حیثیت انبیاء کرامؑ کے مقابلے میں وہی ہے جو ملائکہ کے سامنے گنوار دیہاتیوں کی" (الرد علی المنطقیین ص ۲۹۵) اور "یونان کے فلسفی بت پرست تھے۔ ان میں سے فیثاغورث، سقراط اور افلاطون کے عقائد قدرے بہتر تھے، کیونکہ یہ تینوں ارضِ انبیاءؑ (یعنی شام) کا سفر کر چکے تھے اور آسمانی تعلیمات سے کسی حد تک آشنا تھے لیکن ارسطو اس طرف کبھی نہیں آیا۔ اس لیے اس کے عقائد میں کجی تھی۔ (نقض المنطق ص ۱۱۳)

(اپنی کتب میں) بعض اوقات ابن سینا کا بعض کلام بغیر کسی تغیر کے نقل کر دیا ہے اور کبھی اس میں معمولی تغیر و تبدل بھی کیا ہے۔ ابن سینا سے جو اکثر چیزیں منقول ہیں انہیں (امام غزالی نے) شرعیات میں منتقل کر دیا ہے کیونکہ انہوں نے اکثر اسرارِ شرع ان ہی سے سیکھے تھے۔ لہٰذا ابن سینا اور مؤلف رسائل اخوان الصفا[۵۸] علم فلسفہ میں (امام) غزالی کے عول اور معتمد استاذ ہیں۔" (شرح العقیدۃ الاصفہانیہ، للامام ابن تیمیہؒ ص ۱۱۷)

۵۸ھ اخوان الصفا۔ باطنیوں کی ایک خفیہ سیاسی جماعت تھی جو دسویں صدی عیسوی میں بغداد میں قائم ہوئی۔ ان کا دعویٰ تھا کہ وہ سعادۃ النفس کی طرف گامزن ہیں۔ ان کی تمام باتیں یونان و ہند و ایران کے فلسفہ سے مقتبس تھیں۔ دینی مباحث اور عقائد میں اسی فلسفہ کو معیار بنا کر گفتگو ہوتی تھی اور مسائل کو طے کیا جاتا تھا۔ اس جماعت کا منشور ان ہی کے الفاظ میں اس طرح تھا: "إِنَّ الشَّرِيعَةَ الْإِسْلَامِيَّةَ قَدْ تَنَجَّسَتْ بِالْجَهَالَاتِ وَاخْتَلَطَتْ بِالضَّلَالَاتِ وَلَا سَبِيلَ إِلَى غَسْلِهَا وَتَطْهِيرِهَا إِلَّا بِالْفَلْسَفَةِ لِأَنَّهَا حَاوِيَةٌ لِلْحِكْمَةِ الْاعْتِقَادِيَّةِ وَالْمَصْلَحَةِ الْاجْتِهَادِيَّةِ وَأَنَّهُ مَتَى انْتَظَمَتِ الْفَلْسَفَةُ الْيُونَانِيَّةُ وَالشَّرِيعَةُ الْمُحَمَّدِيَّةُ فَقَدْ حَصَلَ الْكَمَالُ" (تاریخ فلاسفۃ الاسلام فی المشرق والمغرب لمحمد لطفی جمعہ ص ۲۵۳) یعنی اسلامی شریعت جہالتوں اور گمراہیوں کی آمیزش سے گندی ہو گئی ہے۔ اس کو صرف فلسفہ کے ذریعہ دھویا اور پاک کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ فلسفہ اعتقادی علوم و حکمت اور اجتہادی مصلحتوں پر حاوی ہے۔ اب صرف فلسفۂ یونان اور شریعتِ محمدی کے امتزاج سے کمالِ مطلوب حاصل ہو سکتا ہے۔" انہوں نے اس بحث و نظر کے نتیجہ میں باون رسالے مرتب کیے جو ان کے فلسفہ کی نمائندگی کرتے ہیں اور تاریخ و ادب میں "رسائل اخوان الصفا" کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ رسائل طبیعات، ریاضیات اور عقلیات کے مباحث پر مشتمل ہیں۔ معتزلہ اور ان کے ہم مذاق لوگوں نے ان رسائل کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ وہ اپنی مجلسوں میں ان کو پڑھتے تھے اور جہاں جاتے تھے انہیں اپنے ساتھ لے جاتے تھے، یہاں تک کہ ایک صدی کے اندر وہ اندلس تک پہنچ گئے۔" (تاریخ فلاسفۃ الاسلام فی المشرق والمغرب لمحمد لطفی جمعہ ص ۲۶۰، ۲۶۱)

حافظ ابن تیمیہؒ نے امام غزالی کے متعلق یہ بھی لکھا ہے:

"ابو حامد فلسفیوں کے بالکلیہ موافق نہیں ہیں کہ جو کچھ وہ کہیں ان کو مان لیں بلکہ کہیں کہیں ان کی راہ سے ہٹ کر ان کا انکار بھی کرتے ہیں۔ ان کی کچھ کتابوں میں جو فلسفہ ملتا ہے وہ فلسفیوں کے بعض اصولوں کی موافقت ہے لیکن ایسی کتب بھی ہیں جن میں اس کا خزانہ بھرا پڑا ہے۔ وہ محض فلسفہ ہیں اور مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں سب کے دین کے خلاف ہیں، اگرچہ ان میں اسلامی عبارات بھی آئی ہیں لیکن ان کتب کے بارہ میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ابو حامد پر کذب ہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے بعد میں ان کتب سے رجوع کر لیا تھا۔ لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے بعض دوسرے مقامات پر بعض انہی باتوں کی صراحت کی ہے جو وہ ان کتب میں لکھ چکے ہیں۔ اور باخبر ہو جاؤ کہ "المنقذ من الضلال" وغیرہ ان کی وہ کتب ہیں جن میں یہ سب ضلال موجود ہے۔" (شرح العقیدۃ الاصفہانیہ لامام ابن تیمیہؒ ص ۹۴)

استاذ محمود مہدی استانبولی بیان کرتے ہیں:

"اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جب دوسری صدی ہجری میں منطق لغتِ یونانی سے عربی میں مترجم ہوئی تو اہلِ اسلام کو اپنے دفاع میں کچھ عجز نظر آیا۔ پس ان میں سے کچھ لوگوں نے جو متکلمین اور فلاسفہ کے نہج پر تھے اس پر اعتقاد کیا اور اسالیبِ منطقیہ کو اپنا لیا۔ پھر امام غزالی نے انہی اسالیب کو علوم دین میں عام کر دیا اور یہ وہی چیز ہے جس نے ناقص العلم علماء کے لیے اسے قرآن کی دلیل بنا لیا۔ اس پر یہ قول لازم آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ براہینِ یقین اور توحید کی دلیل سے لاعلم تھے، حالانکہ ان کی یہ بات محض ظنی ہے۔" (ابن تیمیہؒ بطل الاصلاح الدینی ص ۷۷)

حافظ امام ابن تیمیہؒ نے فلسفہ کے متعلق امام غزالی کی خوش عقیدگی پر زبردست گرفت فرمائی ہے اور ان کی فلسفیانہ بحوث کی نیکر و تردید کے ساتھ ان کی خام خیالی کو اپنی علمی طرزِ بحث سے واشگاف کر دیا ہے۔ چنانچہ استاذ محمود مہدی

استانبولی لکھتے ہیں :

" ابنِ تیمیہؒ نے فلسفہ کو اس کی عمارت ڈھانے کے لیے پڑھا اور سمجھا ...[۵۹] آپ نے منہاجِ غزالی کی شدید نکیر کی اور ان کی ہفوات و ہنات کو لے کر ادھیڑ پھینکا اور یہ واضح کر دیا کہ علمِ شریعت صرف نبوت سے ہے۔ اصولِ عقیدہ، احکامِ علمیہ اور فروعِ فقہ اس کے سوا ہیں۔ کیونکہ نبوّت ہم تک ان سب کے کل کے ساتھ آئی ہے، پس جو کچھ نبوّت کے ساتھ آیا ہے۔ وہی مصدرِ علم اور معرفت کا راستہ ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ یہ فلسفی لوگ شریعت کے درس سے قبل عقلی مقدمات تیار کرتے ہیں اور جو کچھ قرآن میں وارد ہوا ہے اسے اپنے منہاج پر سہل کرتے ہیں، پھر اس کی صریح باتوں کو فلسفہ کے موافق بناتے ہیں اور اس طرح علم العقل کو علم النبوت پر

---

۵۹ امام ابنِ تیمیہؒ نے فلاسفہ کی رد میں کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے چند مشہور کتب کے نام یہ ہیں :

" الرّد علی فلسفة ابن رشد، قاعدہ فی اثبات المعاد والرد علی ابن سینا، ابطال المجردات، تعارض العقل والنقل، جواب فی قول بعض الفلاسفة (ان المعجزات الانبیاء قوة نفسانیة)، رِسالَةٌ فِی العَرْشِ وَالعَالَمِ هَلْ هُوَ کُرَوِیّ الشَّکْلِ اَمْ لَا، الرد علی فلاسفة (چار جلدیں)، قاعدہ فی ابطال قول الفلاسفة بقدم العالم، قاعدہ فی مایتناھی ومالا یتناھی، قاعدہ فی الواجد لا یصدر عنه الا الواحد، کتاب فی الرد علی المنطق، کتاب الکلام علی ارادة اللہ و قدرته، کتاب ابطال قول الفلاسفة باثبات الجواھر العقلیة مسئلة فی العقل والروح، الرّد علی المنطقیین، کتاب فی نقض المنطق وغیرہ۔

فلسفہ کی رد میں آپ کے چند مشہور اقوال یہ ہیں : " یہ فلسفی ایک ایسے خدا کو مانتے ہیں جو تمام صفات سے معرا ہے۔ یہ خدا اُن کے ذہن ہی میں ہو سکتا ہے۔ خارج میں اس کا کہیں وجود نہیں۔ " (منہاج السنة ج ۱ ص ۱۱۲) " انسان اللہ کا خلیفہ ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ یہ ان تمام صفات سے جزواً آراستہ ہو جو ذاتِ الٰہی میں کاملاً پائی جاتی ہیں۔ اگر اللہ سے اس کی

فوقیت دیتے ہیں۔" (ابن تیمیہ بطل الاصلاح الدینی، لاستاذ محمود مہدی ص ۱۷، ۱۳۹)

صفات سلب کرلی جائیں تو پھر وہ ایک ذہنی تصور رہ جاتا ہے جس کا رشتہ انسانی اعمال سے کٹ جاتا ہے۔" (الرد علی المنطقیین ص ۲۵۴) "اِعْلَمْ اَنَّ الْمَنْطِقَ الْیُوْنَانِیَّ لَا یَحْتَاجُ اِلَیْہِ الذَّکِیُّ وَلَا یَنْتَفِعُ بِہِ الْبَلِیْدُ۔" (الرد علی المنطقیین) یعنی تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ایک ذہین شخص کو یونانی منطق کی ضرورت نہیں اور کند ذہن کو اس سے کوئی فائدہ پہنچنے والا نہیں ہے۔" "یونانی فلسفیوں کا عقیدہ تھا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا فرمایا۔ اسی یونانی عقیدہ کے مطابق صوفیاء اور فلسفیوں نے ایک حدیث تراش لی کہ "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلُ" (اللہ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا)" یہ حدیث موضوع ہے اور تیسری صدی ہجری میں گھڑی گئی۔" (السبعینیہ ص ۲۹) "مسلمین اور فلسفیوں کے درمیان ایک برزخ ہے جس میں فلسفہ اسلام کے ساتھ اور اسلام فلسفہ کے ساتھ مخلوط رہتا ہے۔" (کتاب النبوات ص ۹، طبع السید منیر الدمشقی) "وہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اوپر نازل شدہ آیات کا مطلب نہیں جانتے تھے اور نہ ہی ان کے صحابہؓ ان آیات کا مطلب جان سکتے تھے۔ ان لوگوں کو یہ کہنا چاہیے کہ وہ از خود احادیث الصفات میں سے ان چیزوں کے معنی نہیں جان سکتے تھے جن کو وہ بیان کرتے تھے بلکہ ان کو معنی جاننے کی جستجو کے بغیر ہی بطورِ کلام بیان کر دیتے تھے۔" (نقض المنطق ص ۵۵)

استاذ محمود مہدی استانبولی لکھتے ہیں: "امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک صرف عقل ہی حقائقِ دین تک پہنچنے کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لیے استعانت بالنقل بھی ضروری ہے جس کے لیے صرف کتاب و سنّت ہی قابل اعتماد ہیں۔ چنانچہ عقل کے لیے ضروری ہے کہ اس کے تابع ہو نہ کہ متبوع۔ جس نے صرف ایک اکیلی عقل پر اعتماد کیا اس کی مثال حاطب اللیل کی سی ہے۔" (ابن تیمیہ محمود مہدی ص ۳۲)

"ابن تیمیہؒ نے اس بات پر بھی تنقید کی ہے کہ وہ لوگ نبوت کے ذریعہ آئے ہوئے علم کا درس دیتے وقت دروسِ عقلیہ کی طرح اس پر بھی مقدمہ قائم کرتے ہیں۔ پھر جو اوصاف قرآن کریم میں آئے ہیں ان پر فلسفہ کے قوانین، ان کی جہت و سبب اور توجیہ کے مطابق حکم باندھتے ہیں۔ پس جو فلسفہ کے موافق ہو اس کو ایسا قرار دیتے ہیں جیسے کہ وہی وارد ہوا ہو اور جو اس کے موافق نہ ہو اس کا رخ فلسفہ کی سمت موڑ کر اس کی تاویل فلسفہ سے کرتے ہیں، اس کے لیے سنّت کی طرف التفات نہیں کرتے اور نہ ہی جانتے ہیں کہ شارحِ کتاب نے جو کچھ اس میں وارد ہوا ہے اس کے اسباب بیّن

حافظ ابنِ تیمیہؒ نے ایک مقام پر امام غزالی سے اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے:

"لوگوں کا یہ قول کہ کلام اللہ انسانوں پر مفوضہ معانی کے ساتھ تفویض ہوا ہے لیکن فعال عقل ان میں سے صرف چند ایک کے پاس ہے اور بقیہ تمام کے پاس نہیں ——— یہ قول ابنِ سینا کے موافقین، یا انہی جیسے فلسفیوں اور صابئین کا ہے، اور جن لوگوں نے اس نظریہ کو داخل کیا وہ تصوف آمیز فلسفی اور ان کے متکلم تھے۔ مثلاً اصحاب کتب مضنون بہا علی غیر اہلہا، اصحاب وحدۃ الوجود اور صاحب رسائل مشکوٰۃ الانوار وغیرہ۔ جن لوگوں نے یہ فکر پیش کی اور اسے داخل کیا وہ اپنی کتب میں اس کے خلاف بھی کچھ نہیں کہتے، لیکن ان کا کلام کبھی اس کے موافق اور کبھی اس کے مخالف ہوتا ہے۔" (منہاج السنۃ لابن تیمیہؒ)

ان سب کے باوجود ایسا بھی نہیں ہے کہ امام ابو حامد غزالی کتاب و سنّت سے بالکل بے بہرہ یا اس سے متنفر تھے بلکہ اپنی سوچ سمجھ کے مطابق بعض اوقات فلاسفہ کے اقوال کو اپناتے تھے اور بعض اوقات شریعت کو فلسفہ پر ترجیح دے کر، فلسفہ پر تنقید بھی کرتے تھے، چنانچہ امام ابنِ تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"ابو حامد اس بات کے ساتھ کہ اپنے کلام میں فلاسفہ پر رد، ان کی تکفیر

اور واضح کر دیے ہیں اور یہی اس کی تفسیر کا طریقِ وحید ہے۔ ابنِ تیمیہؒ نے فلسفیوں کے مسلک پر اس لیے بھی تنقید کی ہے کہ یہ حاکم کو محکوم بنا دیتا ہے۔ چنانچہ اس نے نبوت کو، جو کہ عقلوں کے واسطے ہادی و حاکم ہے، فلسفہ کی مدد سے محکوم خاضعہ بنا دیا ہے" (ابنِ تیمیہ لمحمود مہدی ص ۱۳۹) ابنِ تیمیہؒ نے اپنی کتاب نقض المنطق میں منطق ارسطو پر زبردست حملہ کیا ہے اور پھبتی کسی ہے، ان لوگوں پر جو یہ کہتے ہیں کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، اگر کچھ ہو سکتی ہے تو صرف منطق اور اس کے دلائل کے طریقہ پر ہی ہو سکتی ہے۔ اس قول میں صحابہؓ و تابعینؒ کے ساتھ اغماز ہے جو مناطقہ کے علوم کو ظنی قرار دیتے تھے، اس سے نہ صرف لاعلم تھے بلکہ قرآنِ کریم میں جو صفات وارد ہوتی ہیں ان کی تاویل پر بھی قدرت رکھتے تھے۔" (ابن تیمیہ بطل الاصلاح الدینی للاستاذ محمود مہدی الاستانبولی ص ۱۴۰)

لہٰ مصنفہ امام ابو حامد غزالی۔

اور نبوت کی تعظیم وغیرہ کو پسند کرتے تھے لیکن اس بات کو بھی پسند کرتے تھے کہ فلسفہ میں کچھ چیزیں صحیح اور حسن بلکہ نافع اور عظیم القدر ہیں، اسی لیے ان کے بعض کلام میں فلسفیانہ مادہ اور ایسے امور ملتے ہیں جن میں انہوں نے فلاسفہ کے اصول اور ان سے موافقت کو اپنا کر نبوت کی مخالفت بلکہ صریح معقول کی مخالفت کی ہے۔ یہاں تک کہ علمائے خراسان و عراق و مغرب (مراکش) نے اس پر سخت کلام کیا ہے۔" (شرح العقیدۃ الاصفہانیہ لامام ابن تیمیہؒ ص ۱۱۵)

امام ابن تیمیہؒ کا ایک دوسرا قول استاذ محمود مہدی استانبولی نے نقل کیا ہے:

"ان کی دوسری بات، یہ کہ امام غزالی بعض جگہ فلاسفہ کی مخالفت اور احادیث نبویہ کی مطابقت پر حامل استقرار تھے۔" (ابن تیمیہ بطل الاصلاح الدینی ص ۳۲)

خالص فلسفہ کے موضوع پر امام غزالی کی دو تصانیف بہت مشہور ہیں۔ یعنی "مقاصد الفلاسفہ" اور "تہافت الفلاسفہ"۔ فلسفہ کی اقسام اور مذہب سے اس کے تعلق کی بابت امام صاحب نے ایک جگہ لکھا ہے:

"اس کے علوم چھ قسم کے ہیں۔ ریاضیات، منطقیات، طبیعات، سیاسیات، اخلاقیات اور الٰہیات۔ ابتدائی پانچ علوم کا مذہب سے نفیاً و اثباتاً کچھ تعلق نہیں ہے۔ طبیعات میں ان کے بعض نظریات کا کہیں کہیں مذہب سے تصادم ہوتا ہے۔ لے دے کے جو فن مذہب سے متصادم ہوتا ہے وہ الٰہیات ہے۔ اسی میں انہوں نے زیادہ تر ٹھوکریں کھائی ہیں۔ درحقیقت انہوں نے منطق میں جو شرطیں رکھی تھیں ان کو وہ الٰہیات میں نباہ نہیں سکے، اسی لیے اس میں سخت اختلاف پایا جاتا ہے۔ الخ"

(المنقذ من الضلال للغزالی)

"تہافت الفلاسفہ" میں امام صاحب نے فلسفہ کی دو شاخوں (الٰہیات و طبیعات) پر کھل کر تنقید کی ہے اور ان کی کمزوریوں، ان کے ضعف استدلال اور باہمی تناقض و اختلافات کو ظاہر کیا ہے لیکن ساتھ ہی بعض جگہ فلاسفہ کی بہت سی باتوں سے اتفاق کیا ہے، انہیں مفید و نافع جان کر اخذ کیا اور ان کی تائید کی ہے۔ "مقاصد الفلاسفہ" میں بھی اکثر جگہ یہی پہلو نظر آتا ہے۔ ذیل میں فلسفہ کے متعلق امام صاحب کے چند تنقیدی اقتباسات

نقل کیے جارہے ہیں جن سے واضح ہو جائے گا کہ امام صاحب جو خود ایک دقیق النظر فلسفی تھے، کسی نہ کسی حد تک فلسفہ کو بُرا تصور کرتے تھے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"قلنا ما ذکرتموہ تحکمات وھی علی التحقیق ظلمات فوق ظلمات لو حکاہ الانسان عن منام راٰہ لاستدل علی سوء مزاجہ۔" (تہافت الفلاسفۃ، للغزالی ص ۲۹، ۳۰)

"تمہارا یہ سارا بیان اور تفصیلات محض دعاوی اور تحکمات ہیں بلکہ درحقیقت تاریکیوں پر تاریکیاں ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنا ایسا خواب بھی دیکھنا بیان کرے تو وہ اس کے سوء مزاج کی دلیل ہوگی۔"

اور:

"لست ادری کیف یقنع المجنون من نفسہ بمثل ھذہ الاوضاع فضلاً عن العقلاء الذین یشقون الشعر بزعمھم فی المعقولات" (تہافت الفلاسفہ، للغزالی ص ۳۲، طبع علامیہ مصر)

"مجھے حیرت ہے کہ دیوانہ آدمی بھی ان خودساختہ باتوں پر کیسے قانع ہو سکتا ہے۔ چہ جائیکہ وہ عقلاء۔ جو بزعم خود معقولات میں بال کی کھال نکال لیتے ہیں۔"

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"الظانین باللہ ظن السوء المعتقدین ان امور الربوبیۃ تستعلی علی کنھھا القوی البشریۃ المغرورین بعقولھم زاعمین ان فیھا مندوحۃ عن تقلید الرسل واتباعھم فلاجرم اضطروا الی الاعتراف بان لباب معقولاتھم رجع الی ما لو حکی فی المنام لتعجب منہ" (تہافت الفلاسفۃ للغزالی ص ۳۱، طبع علامیہ مصر)

"جو اللہ تعالیٰ سے بدگمانی کرتے ہیں اور بُرا اعتقاد رکھتے ہیں جن کا خیال ہے کہ امور ربوبیت کی حقیقت پر انسانی قویٰ حاوی ہو سکتے ہیں جو اپنی عقلوں پر نازاں ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کی موجودگی میں پیغمبروں کی تقلید اور ان کی اتباع کی ضرورت نہیں، لامحالہ اس کا انجام یہ ہوا کہ ان

کی زبانوں سے (معقولات کے نام سے) ایسی ایسی تعجب خیز باتیں نکلیں کہ اگر کوئی خواب بھی ایسا بیان کرے تو لوگ تعجب کریں۔"

امام غزالی نے "تہافت الفلاسفہ" میں جن مقامات پر فلسفہ کی تردید و تنقید فرمائی تھی۔ان میں بہت سے فلسفیانہ مباحث گنجلک اور غیر واضح تھے، بعض جگہ علمی کمزوریاں اور خطائیں تھیں، چنانچہ ابنِ رشد (م ۵۹۵ھ) نے ان کی اس کتاب کا جواب "تہافت التہافت" کے نام سے لکھا۔علماء مغرب میں سے بعض کی رائے ہے کہ "اگر ابنِ رشد فلسفہ کی حمایت کے لیے کھڑا نہ ہو جاتا تو علم الفلسفہ غزالی کے حملوں سے نیم جان ہو چکا تھا۔ابن رشد کی حمایت نے اس کو مزید سو برس کے لیے نئی زندگی بخش دی۔" (تاریخ فلاسفۃ الاسلامی فی المشرق والمغرب لمحمد لطفی جمعہ ص ۲)

واقعہ یہ ہے کہ فلاسفہ اور خود فلاسفہ پر تنقید و تردید کرنے کے باوجود امام صاحب کافی حد تک فلسفہ سے متاثر تھے اور اس کے طریقۂ استدلال و حلِ مشکلات اور دلپذیر طرزِ بحث کی منفعت کے قائل و معترف بھی تھے۔چنانچہ استاذ محمود مہدی لکھتے ہیں:

"غزالی نے فلسفہ کو درس کیا اس کے ذریعہ طلبِ حقیقت کے واسطے اور اپنے نفس کو ہر چیز سے پاک کیا۔حقِ مستقیم تک پہنچنے کے لیے اور شک کی راہ پر اعتبار کیا کہ وہی حق تک پہنچنے کا راستہ ہے، لیکن اُن پر فلاسفہ کے اقوال کا بطلان ظاہر ہوا۔پس وُہ دین کی طرف لوٹے اور خلواتِ صوفیہ میں رہ کر اپنے نفس کے اندر نور الحقائق کو تلاش کیا اور اپنے نفس کو پہچان لیا۔پھر فلاسفہ پر حملہ کیا اور ان کی تہافت کو ظاہر کیا، لیکن اس کے ساتھ کیا انہوں نے فلسفہ کو بالکل ترک کر دیا تھا؟ یقیناً نہیں۔ان کی ذات میں فلسفہ کے اثرات باقی تھے اور انہوں نے ان اثرات کو (آخر دم تک) ترک نہیں کیا۔فلسفہ کے انہی اثرات سے امام غزالی کی عقل فلسفیانہ ہو گئی تھی۔چنانچہ انہوں نے اس کے ایک شعبہ کو اخذ کر کے اُسے اپنے دروس کا جزو بنا لیا تھا۔یہ جزو منطق ہے اور ان کی علم الاصول کے موضوع پر لکھی گئی (آخری) کتاب "المستصفیٰ" کے مقدمہ میں موجود ہے ..... اس کتاب میں اس بات کا اقرار کیا گیا ہے کہ منطق کو میزان مانے بغیر علوم میں سے کسی

بھی علم کے حقائق کا جاننا ناممکن ہے۔ الخ" ابن تیمیہؒ بطل الاصلاح الدینی لمحمود مہدی ص ۶۸، ۶۹)

مولانا ابوالحسن علی الندوی نے امام غزالی کی احیاء علوم الدین پر امام ابن تیمیہؒ کی تنقید نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

"پہلی تنقید اس پر ہے کہ اس میں فلاسفہ کے بہت سے اقوال آگئے ہیں اور توحید نبوت اور معاد سے متعلق ان کے بعض خیالات و بیانات شامل ہو گئے ہیں۔ ان کے نزدیک امام غزالی فلاسفہ کے اثرات سے ضرور کچھ نہ کچھ متاثر ہوتے ہیں۔ وہ اگرچہ ان کے بڑے ناقد اور مخالف ہیں مگر ان کی تصنیفات میں ان کے خیالات کی (غیر شعوری طور پر) کہیں کہیں جھلک آجاتی ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی حس فلسفہ اور فلاسفہ کے بارہ میں چونکہ بہت تیز ہے۔ اس لیے کچھ عجب نہیں کہ ان کے معیار سے امام غزالی کی بعض چیزیں فلسفہ سے متاثر ہوں۔ الخ" (تاریخ دعوت و عزیمت، مصنفہ ابوالحسن علی الندوی ج ۱ ص ۱۸۲)

مولانا ابوالحسن علی الندوی صاحب کا یہ قول کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ اس میں آں موصوف نے حقائق سے چشم پوشی کے ساتھ جملوں کو توڑ پھوڑ کر پیش کرنے اور انھیں تخفیف کرنے کی کوشش کی ہے، جو علمی دیانتداری کے سراسر خلاف ہے اور اُن جیسے بلند پایہ عالم کو ایسا کرنا کسی طرح زیب نہیں دیتا۔ مولانا کے آخری جملہ سے واضح ہوتا ہے کہ آں موصوف نے نہ امام غزالی کا صحیح مطالعہ کیا ہے اور نہ ہی امام ابن تیمیہؒ کے بارے میں صحیح علم رکھتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

"المستصفی"، امام غزالی کی ایک اور مقبول تصنیف:

امام غزالی کی ایک اور مشہور و مقبول تصنیف "المستصفی" کے نام سے معروف ہے اس کتاب کا شمار اصولِ فقہ کے ارکانِ ثلاثہ[۱۶] میں کیا جاتا ہے۔ یہ کتاب امام غزالی نے انتقال سے ایک سال قبل یعنی ۵۰۴ھ میں مکمل کی تھی۔ یہ آپ کی آخری تصنیف ہے۔ علماء نے

[۱۶] یعنی "المعتمد" لابی الحسن البصری و "البرہان" لامام الحرمین و "المستصفی" للغزالی

اس کے ساتھ بڑی اعتنا کی ہے[۶۲] امام غزالی نے اس کتاب کے مقدمہ میں منطق کو میزان العلوم قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں :

"ہم نے اس مقدمہ میں مدارک العقول بیان کیے ہیں اور ان کا انحصار حد و برہان پر ہے۔ ہم نے حدِ حقیقی اور برہانِ حقیقی کی شرطیں اور منہاج کے مطابق ان کی قسمیں، یا وہ جز، جسے اس زیرِ نظر کتاب، اور کتاب معیار العلم میں بیان کیا گیا ہے، کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ مقدمہ تمام علم الاصول میں سے نہیں ہے اور نہ ہی ان مقدمات میں سے ہے جو اس کے لیے خاص ہیں بلکہ یہ اس کے تمام علوم کا مقدمہ ہے۔ پس جو چیز اس کے احاطہ سے خارج ہے۔ وہ اصلاً ثقہ نہیں ہے۔" (مقدمۃ المستصفی ج ا ص ۱۰)

حافظ ابنِ تیمیہ نے امام غزالی کی اس کتاب کے متن پر نہایت علمی تنقید کی اور جابجا اس کے مباحث میں موجود اغلاط کی نشاندہی فرمائی ہے۔ استاذ محمود مهدی استانبولی ایک مقام پر لکھتے ہیں :

"امام ابنِ تیمیہ نے منطق کو علومِ شرعیہ میں داخل کرنے کے متعلق ابن الصلاح کا فتویٰ نقل کرنے کے بعد علماء کا استنکار اس بارہ میں جمع کیا ہے جو (امام) غزالی کے مقدمۃ المستصفی میں موجود ہے۔ یعنی منطق کو تمام علوم کا میزانِ معتبر سمجھنا اور علومِ دین میں اسے عام کرنا۔" (ابنِ تیمیہ بطل الاصلاح الدینی ص[۶۳])

ایک مقام پر حافظ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم (امام ابنِ تیمیہ) مقدمۃ المستصفی پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"بیان کیا ہے یوسف دمشقی، مدرس مدرسہ نظامیہ بغداد، سے جو کہ معروف اصحابِ نظر و بصیرت میں سے تھے، کہ وہ اس کلام کا انکار کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ابو بکرؓ و عمرؓ و فلاں و فلاں یعنی بے شک جو سب ساداتِ عظمت میں سے ہیں۔ وہ لوگ اس مقدمہ اور اس کے اسباب کو قطعاً نہیں جانتے تھے۔" (العقیدۃ الاصفہانیہ ص ۱۱۶)

---

۶۲ تاریخ دعوت و عزیمت، مصنفہ ابو الحسن علی الندوی ج ا

۶۳ مصطلحاتِ فلسفیہ و منطقیہ کے متعلق ابن الصلاح کا فتویٰ ہے : "یہ متحدثہ رقاعات (یعنی تتے

استاذ محمود مہدی استانبولی مقدمۃ المستصفیٰ میں منطق کو میزان العلوم بنانے کے متعلق لکھتے ہیں:

"فلسفہ کے اثرات سے امام غزالی کی عقل فلسفیانہ ہوگئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس کے ایک شعبہ کو اخذ کرکے اسے اپنے درس کا جزو بنا لیا تھا۔ وہ جزو منطق ہے اور علم الاصول کی کتاب المستصفیٰ کے مقدمہ میں موجود ہے۔ یہ کتاب علمِ اصولِ فقہ کی تین اہم کتب میں سے ہے اور اس بات کا اقرار کرتی ہے کہ منطق کو میزان سمجھے بغیر علوم میں سے کسی بھی علم کے حقائق کا جاننا ناممکن ہے۔" (ابن تیمیہؒ بطل الاصلاح الدینی ص ۶۹)

نیز علمائے مسلمین کا منطقِ ارسطو کے ساتھ باقاعدہ تعلق اس طرح ہوا کہ ابو حامد غزالی نے اسے مقدمہ علم الاصول میں داخل کر دیا اور منطق کو علمِ صابہ میں سے بنایا اور اعتبار کیا، اسکو اخذ کیا اور فکرِ اسلامی میں دخیل اور بیّن کر دیا۔ بلاشبہ حقائقِ اسلامی کے ادراک کے لیے اس کی کوئی حاجت نہیں ہو سکتی اور یہ بات بھی سچ نہیں ہے کہ منطق میزانِ علم ہے۔ یہ بات اوہام یا اوہام کی قیود میں سے ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ابو حامد سے قبل جتنے بھی فقہاء تھے اس کی طرف بغض بھری نظروں سے دیکھتے تھے اور

پیوند) اور منکراتِ مستبشعہ میں سے ہے۔ دراصل منطق کا احکامِ شرعیہ میں افتقار نہیں ہے۔ اگر کسی منطقی نے دعویٰ کیا کہ منطق امرِ حد و برہان سے ہے تو اللہ تعالیٰ نے تمام صحیح الذہن اور سلیم الفکر انسانوں کو اس سے غنی بنایا ہے اور یہ علومِ شرعیہ کے نظریات کی خدمت و علامت نہیں ہے۔ جب شریعت اور اس کے علوم تمام ہوئے تو علماء نے اس کے بحر الحقائق والدقائق میں غور و خوض کیا مگر اس طرح کہ نہ کوئی منطق تھی، نہ فلسفہ اور نہ ہی کوئی فلسفی۔ اگر کوئی اس بات کا دعویٰ کرے کہ وہ اپنی ذات کے لیے منطق و فلسفہ سے اس کے مزعومہ فوائد کے پیشِ نظر اشتغال رکھتا ہے تو یقیناً اس کو شیطان نے گمراہ کیا ہے۔" (فتاوی ابن الصلاح ص ۳۵) نیز استاذ محمود مہدی استانبولی لکھتے ہیں: "اور یہ ابن الصلاح ہی ہیں جو منطق کو شرِ کل بتلاتے ہیں، پس آپ کا قول ہے کہ منطق فلسفہ میں داخل ہے اور اس میں شر داخل ہے۔ اس کی تعلیم و تعلّم کا اشتغال شارعؑ نے مباح نہیں کیا اور نہ ہی صحابہؓ و تابعینؒ و ائمہ مجتہدین و سلف و صالح اور ان لوگوں میں سے، کہ

علومِ اسلامیہ پر اس کے حملہ سے خائف اور متوجس رہا کرتے تھے۔[۲۶۵] غزالی ہی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے علوم کے میزان کے طور پر اس کے اخذ کرنے کے وجوب کی صراحت کی ہے۔ اگر اُن سے پہلے کوئی اسے اپناتا بھی تھا تو اس بات کو مخفی رکھتا تھا اور امام غزالی کی طرح بالجہر اس کا اظہار نہیں کرتا تھا۔" (ابنِ تیمیہ بطل الاصلاح الدینی لاستاذ محمود مہدی استانبولی ص ۷۶، ۱۴۰)

امام غزالیؒ کی مدح میں چند اقوال:

امام الحرمین امام غزالی کی تعریف میں فرمایا کرتے تھے:

"غزالی بحرِ زخار ہے۔" (تاریخ دعوت وعزیمت ج ۱ ص ۱۳۰)

شیخ عبدالغافر فارسی کا قول ہے:

"امام غزالی کے جاہ وجلال کے سامنے امراء ووزراء اور خود بارگاہِ خلافت کی شان وشوکت ماند پڑ گئی تھی۔" (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۴ ص ۱۰۱)

"شیخ الاسلام (حافظ) ابن تیمیہؒ اگرچہ ان کے ناقد ہیں اور ان کی بہت سی چیزوں سے ان کو اختلاف ہے لیکن اس کے باوجود وہ ان کو کبار مخلصین میں شمار کرتے ہیں۔" (تاریخ دعوت وعزیمت، مصنفہ ابوالحسن علی الندوی ج ۱ ص ۱۹۰)

ایک مصری عالم لکھتے ہیں:

"امام غزالی صرف ایک بلند پایہ فقیہ، ایک صاحبِ اجتہاد و متکلم اور ایک

جو ان کی اقتدا کرتے ہیں، کسی نے اس کو مباح کہا ہے۔" (ابن تیمیہؒ بطل الاصلاح الدینی ص ۷۶)

[۲۶۵] چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کے متعلق مشہور ہے کہ "امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان لوگوں سے یکسر قطع تعلق کر لیا جو اثرِ سلف سے ہٹ کر اپنی فکر وعقل کی راہیں تلاش کر رہے تھے اس قطع تعلق کی انتہاء یہ تھی کہ کم از کم اپنے لیے تو وہ ان فلسفیوں اور عقل پرستوں کا رد کرنا بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ وہ اپنے اس مسلک پر زندگی کی آخری سانس تک قائم رہے۔ الخ۔" (حیات احمد بن حنبلؒ، مصنفہ استاذ ابوزہرہ مصری مرحوم مترجم سید رئیس احمد جعفری مرحوم پبلشرز ملک سنز فیصل آباد ص ۹۶، ۹۷)

صاحب دل صوفی نہیں ہیں۔ اخلاقیاتِ اسلامی اور فلسفہ اخلاق کے ایک نامور مصنّف اور ایک دقیق النظر اور نکتہ رس ماہر اخلاق و نفسیات بھی ہیں۔ اخلاقِ اسلامی اور فلسفہ اخلاق کی کوئی تاریخ ان کے تذکرہ کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔" (تاریخ الاخلاق، فلسفہ اخلاق وصلاتہا بالفلسفۃ الاغریقیہ لدکتور محمد یوسف موسٰی، استاذ بجامعۃ القاہرہ، مصر) مولانا ابو الحسن علی الندوی لکھتے ہیں:

"اُن کی کتابوں کی تاثیر اور مقبولیت کی اصل وجہ ان کا یہی اخلاص ہے۔ اسی اخلاص نے ان سے اقلیم علم کی مسند شاہی ترک کروائی اور برسوں دشت و بیاباں کی خاک چھنوائی اور باوجود طلبی و اصرار کے بادشاہوں کے دربار اور اپنے وقت کے سب سے بڑے اعزاز سے روگرداں اور بے نیاز رکھا۔ انہوں نے ایک جگہ لکھا ہے کہ آخری چیز جو صدیقین کے قلب سے نکلتی ہے وُہ حبِ جاہ ہے۔ ان کی آخری زندگی شہادت دیتی ہے کہ وُہ اس مقام سے محفوظ نہیں رہے۔ علوِ ہمّت ان کی زندگی کا طغرائے امتیاز ہے الخ" (تاریخ دعوت وعزیمت ج ا ص ۱۹۰)

---

۶۵ احیاء علوم الدین، للغزالی ج ۳

ردِّ تقلید اور

حجیّتِ حدیث

حدیث کے حجتِ شرعیہ ہونے پر

شیخ ناصر الدین البانی کی مایہ ناز کتاب

ضخامت — ترجمہ — قیمت

۸۸ صفحات — حافظ عبدالرشید اظہر — ۹ روپے صرف

ناشر: ادارہ محدث ۹۹ جے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور